اکائی نمبر 24: سرسید تحریک

ساخت

24.1: اغراض و مقاصد

24.2: تمہید

24.3: سرسید تحریک

24.4: آپ نے کیا سیکھا

24.5: اپنا امتحان خود لیجیے

24.6: سوالات کے جوابات

24.7: کتب برائے مطالعہ

24.1 اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ

- سرسید تحریک سے واقف ہوں گے۔
- سرسید تحریک سے وابستہ ادیبوں اور شاعروں سے متعارف ہوں گے۔
- سرسید تحریک کی علمی و ادبی خدمات سے جانکاری حاصل کریں گے۔
- سرسید تحریک کا درجہ متعین کریں گے۔
- سرسید تحریک کے بنائے پس منظر کو سمجھا۔

24.2 تمہید

برطانوی تسلط کے بعد ان کا تصور تمدن بھی ہندستان پر اپنا اثر رکھ رہا تھا۔ وہ تاجوری کے خواب دیکھ رہے تھے اور جہا خداری و ملوکیت کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ مرہٹوں، سکھوں اور امیران سندھ کو قابو میں کرنا ضروری تھا جو اپنی شورش سے برطانوی سامراج کو غلبہ حاصل کرنے کے اچھے مواقع فراہم کر رہے تھے۔ انیسویں صدی میں سید احمد بریلوی، سر سید احمد خاں، دیا نند سرسوتی اور راجہ رام موہن رائے اپنی مضبوط فکری قوتوں اور مرکزوں کی حیثیت سے تاریخ کے مکمل روشن خیال پر ابھرے تھے۔ ان کے سیاسی نقطۂ نظر اور طرزِ فکر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو نکھارا تھا۔ دیا نند سرسوتی کو قدیم تہذیبی و مذہبی روایات کے احیاد میں نجات کی صورت نظر آتی تھی لیکن راجہ رام موہن رائے اور سرسید احمد خاں نے ماضی سے اپنی نگاہیں ہٹا

لیں اور موجودہ حالات کا تجزیہ کرکے نئے افکار و نظریات اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگی پر زور دیا تھا۔ اس کے لئے انھوں نے ذہنی بیداری، تعلیم، تہذیب و تمدن میں صحت مند عناصر کی پزیرائی اور اصلاح اور علم و ادب میں جدید تصورات سے آشنائی کا بیڑا اٹھایا اور اسی کی اپنے اپنے انداز میں تبلیغ و اشاعت کی۔

24.3 سرسید تحریک

علی گڑھ یا سرسید تحریک کا تصور سرسید احمد خاں سے وابستہ ہے۔ اس تحریک کا فکری سلسلہ ہندستانی تہذیب و تاریخ سے جڑا ہوا ہے۔ ایک طرف سید احمد دہلوی کے سرچشمہ فکر تو دوسری جانب برہمو سماج اور آریہ سماج تحریک کی وطن پرستی اور اصلاحی رویے اور دہلی کالج کی ذہنی بیداری اور اس تحریک کے وجود میں آنے کی وجوہ تسمیہ تھی، فرنگیوں کی توسیع پسندی اور ان کے ذریعے ہندستانیوں کا استحصال بھی اس کی وجہ بنا تھا۔ سید احمد بریلوی نے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو للکارا تھا۔ دیانند سرسوتی قدیم تہذیبی و مذہبی روایت کے احیا میں نجات کی صورت نظر آتی تھی لیکن راجہ رام موہن رائے اور سرسید احمد خاں نے ماضی سے اپنی نگاہیں ہٹالیں اور موجودہ حالات کا تجزیہ کرکے نئے افکار و نظریات اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگی پر زور دیا تھا۔ اس لیے انھوں نے ذہنی بیداری، تعلیم اور تہذیب میں صحت مند عناصر کی پذیرائی اور اصلاح اور علم و ادبا میں جدید تصورات سے ناآشنائی کا بیڑا اٹھایا اور اپنے انداز میں تبلیغ و اشاعت کی۔ سید احمد بریلوی کے فکر و عمل کی بنیاد شاہ ولی اللہ کے افکار پر استوار تھیں۔ وہ اسلام کو درپیش خطرات کو سنجیدگی سے محسوس کررہے تھے۔ ان کا خطاب عوام سے تھا۔ ان کے خیال میں علمی اصلاح کے لیے قرآن شریف اور قرآنی تصورات کی رہبری حاصل کی جاسکتی ہے۔ وہ اسلام کو درپیش خطرات کو سنجیدگی سے محسوس کررہے تھے لیکن سکھوں، جاٹوں اور کچھ غدار مسلمانوں کے ہاتھوں انھیں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اسی واقعے نے مسلمانوں کے علمی شعور کو بیدار کردیا۔ حکیم مومن خاں مومن کی نظر میں سید احمد دہلوی سکھوں سے جہاد کررہے تھے۔ راجہ رام موہن رائے برہمو سماج تحریک کے ذریعے ہندستانیوں کو بیدار کررہے تھے۔ وہ ہندو مسلم مشترکہ کلچر کے حامی تھے، وہ ہندوؤں کی تہذیبی اصلاح کے علمبردار تھے۔ ان کی سماجی اصلاح کو تحریک میں تعلیمی سرگرمیاں بھی شامل تھیں۔ دیانند سرسوتی نے 1875 میں آریہ سماج قائم کیا۔ ان کے نظریات میں عدم توازن کی جھلک بھی موجود تھی۔ وہ نومسلموں اور نو عیسائیوں کو ہندومت کے اصولوں سے متاثر کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے فرنگیوں کے تسلط کے بعد ہندستانی ذہنیت کی تقسیم ضروری سمجھی اور عوام کو انگریزی حکومت کا ہمنو بنائے۔ مغربی علوم اور زبان و تہذیب کی ترویج کی اہمیت کو محسوس کیا۔ ادھر فورٹ ولیم کالج انگریزوں کو ہندستانی زبان اور تہذیب سے آگہی حاصل کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا اور دہلی کالج ایک ایسا ادارہ بن گیا تھا جو طالب علموں کو مغربی علوم کے ذریعے ذہنی بیداری عطا کررہا تھا۔ ان سے نشاۃ ثانیہ کے شعور کی تقویت پہنچائی۔ اس کالج نے قدامت سے دوری اختیار کر اور جدید رجحانات کا خیر مقدم کرنے پر زور دیا۔

اس علمی، ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی تناظر میں علی گڑھ تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ سرسید احمد خاں کی رہنمایایہ صلاحیت اور قائدانہ کوالٹی کو اس کے عہد کے تاریخی و تہذیبی منظر نامے نے پروان چڑھایا تھا۔ وہ جس ہندستان میں سانس لے رہے تھے وہاں شاہ ولی اللہ کی تحریک، آریہ سماج اور برہمو سماج کے لیے تصورات اور دہلی کالج کی روشن خیالی

سے پیدا ہونے والی فضا باشعور افراد کے ذہنوں کو متاثر کررہی تھی۔ 1857 کے ہنگامے نے سرسید کے خیالات میں انقلابی تغیر پیدا کردیا تھا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی اور دوسرے فرقوں کی تعلیمی سرگرمیوں نے ان کو اپنی قوم کا جائزہ لینے پر مجبور کردیا تھا۔ مغربی تہذیب، انگریزی تعلیم وتربیت، پارلمانی طرز حکومت، اصلاح معاشرت، مذہبی آزادی، عقلیت پذیری اور صحافت وغیرہ کوئی ایسا میدان نہیں جس میں سرسید، راجہ رام موہن رائے کے شانہ بہ شانہ نہ چل رہے ہوں۔ انھوں نے وسائل کی کمی کی وجہ سے انگریزی حکومت سے ٹکراؤ کو ضروری نہیں سمجھا۔ انھوں نے علی گڑھ تحریک چلائی، اسکول قائم کیے۔ انجمن تشکیل دی اور اخبار جاری کیے تاکہ اس تحریک کی نشر و اشاعت میں معاون ثابت ہوں۔ انھوں نے مسائل کا حل ڈھونڈھنے کے لیے اسپرنگر اور کارگل سے سبق سیکھا اور تصنیف و تالیف کے لیے انداز اختیار کیے۔ سائن ٹی فک سوسائٹی، غازی پور کا قیام، مغربی زبانوں کو علمی تصانیف کے ترجمے اور اخبار کا اجرا بڑے کارنامے تھے، سرسید دہلی کالج کے خیالات و افکار سے کافی متاثر تھے۔ انھوں نے اسی کالج سے سیاسی بصیرت اور ادبی دیدہ وری کا درس لیا تھا۔ سرسید نے اپنے رسالے ''اسبابِ بغاوت ہند'' میں یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ انگریزوں نے ہندستان کو الگ رکھ کر سیاسی معاملات میں ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ مولانا قاسم نانوتوی اور سید احمد بریلوی کی تحریک کا احیا کرنا چاہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دہلی کالج کی تحریروں سے بے دینی کی بو آتی ہے۔ وہ ان خطرات کو محسوس کررہے تھے جن نئے حالات میں مذہب کو سامنا تھا۔ عیسائی مبلغین اور مناظرہ کرنے اپنے عقائد کا سکہ بٹھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے غازی پور میں مدرسہ قائم کیا اور سائن ٹی فک سوسائٹی کی بنا ڈالی۔ وہ اپنے مدرسے میں نوجواں نسل کو نئی تعلیم سے روشناس کروانا چاہتے تھے۔ ان کی سوسائٹی کا مقصد مغربی علوم کو ہندستانیوں تک پہنچانا تھا۔ انھوں نے کم مدّت میں مغربی علوم کی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ ملک کے مختلف حصوں میں سائن ٹی فک سوسائتی کی تقلید میں ادارے قائم کیے گئے۔ وہ لندن کے سفر کے دوران انگریزوں کی تہذیب و شائستگی سے متاثر ہوئے تھے۔ انگلینڈ میں ٹیٹلر (Tatler)، اسپک ٹیر (Spector) اور گارڈین جیسے صحافت کے شاہکار جاری تھے اور معاشرتی اور ثقافتی اصلاح میں معاون تھے۔ ہندستان واپس لوٹ کر انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا جو ان کے مقصد کا ترجمان تھا۔ سرسید مذہبی افکار کی اہمیت سے انکار نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو عقلیت پسند اور فعال بنانے کی کوشش کیں۔ ''انسٹیوٹ گزٹ'' اور ''تہذیب الاخلاق'' کے وسیلے سے سرسید نے اردو زبان کی سادگی اور صفائی پر زور دیا اور نثر کو باوقار، علمی، سنجیدہ اور متوازن معیار عطا کیا۔ وہ نئی تعلیم کے حامی اور پرستار تھے۔ ان کی نظر میں مسلمان اپنی تاریخ سے تحرک اور قوت عمل اخذ کرسکتے ہیں چنانچہ انھوں نے اپنی اکبری اور تاریخ فیروز شاہی کی تصحیح کی۔ یہ کام شبلی نعمانی نے سوانح نگاری کے ذریعے کیا ہے۔

علی گڑھ تحریک کے پہلے تذکروں میں تنقیدی اشارے موجود تھے لیکن حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' لکھ کر ایک نئی بوطیقا رقم کی اور اردو کی ادبی تھیوری کو منقلب کردیا۔ شعر العجم میں شبلی نے اور حالی نے یادگار غالب میں اصول تنقید کی طرف پہلی بار توجہ دی تھی۔ سرسید نے حالی سے ''مسدس'' لکھوایا جس میں تہذیبی اصلاح کے ساتھ شعر و قصائد کے ناپاک دفتر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ سرسید شاعری کو نیچرل پوئٹری کے قریب لانا چاہتے تھے۔ انھوں نے محمد حسین آزاد کے نئی طرز کے شاعروں کو جس میں بحر کے بجائے نظم کا عنوان دیا جاتا تھا، سراہا تھا اور اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ علی گڑھ یا سرسید تحریک کے زیر اثر خود سرسید اور ان کے رفقا میں محسن الملک، وقار الملک،

چراغ علی اور حالی نے مضمون نگاری کی طرف توجہ دی اور اپنی مختصر تحریروں میں مفید خیالات کا اظہار کیا۔ اردو میں ایسے (ESSAY) کو مقبول بنانے کا سہرا بھی انہی کے سر جاتا ہے۔ نذیر احمد نے قوم کی اصلاح کے لیے ناول نگاری سے مدد لی مراۃ العروس، بنات النعش اور توبۃ النصوح جیسے ناول لکھے۔ سرسید تحریک کی تعلیمی پالیسی یہ تھی کہ قدیم طرز تعلیم میں جدید زندگی کے خیالات کی تکمیل کی صلاحیت موجود نہیں اور وہ اپنی افادیت سے محروم ہوچکی ہے اس لیے مغربی علوم سے استفادے اور جدید طرز کی تعلیم ہی میں نوجوان نسل کی ترقی مضمر ہے۔ خانقاہوں اور قدیم درسگاہوں کی دانشوری اور روشنی زندگی کو نئی راہوں کو منور نہیں کرسکتیں انگریزی جاننا تعلیم ہونے کی دلیل ہے۔ انگریزی میں سائنس اور جدید علوم کا ذخیرہ موجود ہے جس سے استفادہ کرکے عصری زندگی کو بامعنی بنایا جاسکتا ہے، سرسید نے تعلیم کو روزگار سے مربوط کرنے کی کوشش کی۔

سرسید تحریک اردو کی اولین فکری تحریک تھی جس نے ذہنی انقلاب برپا کردیا اور فکر کے دھاروں کا رخ موڑ کر عصری حسیت سے ہمکنار کردیا۔ اردو ادب جو شاعری کے حلقے میں محصور تھا، نثر کی معنی خیزی سے آشنا کرایا گیا۔ اس تحریک سے اردو ادب کا دائرہ وسیع ہوا، سوانح نگاری، مضمون نویسی، تنقید، ناول نگاری، افسانہ نگاری، تاریخ، صحافت وغیرہ منفرد حیثیت سے پروان چڑھنے لگے اور مذہب تعلیم و تربیت، تہذیبی و ثقافتی امور پر غور و خوض کا ایک نیا افق نمودار ہوا۔ سرسید سے پہلے فورٹ ولیم کالج، فورٹ سینٹ، جارج کالج، دہلی کالج اور غالب کے خطوط اور ماسٹر رام چند کی تصانیف منظر عام پر آچکی تھیں۔ فورٹ ولیم کالج کا مقصد غیر اردو داں، انگریز حکام کو اردو سے روشناس کرانا تھا۔ اس لیے مختلف علوم کی کتابیں ترجمہ ہوئیں اور داستانوں کو جو نوآموزوں کے لیے دلچسپی ہوسکتی تھی اردو میں منتقل کیا گیا۔ اس کالج میں جو نثر لکھی گئی اس کا تعلق زبان و بیان سے زیادہ تھا اور موضوعات و مباحث سے کم، نثر کو سلاست و روانی سے آشنا کیا گیا۔ سرسید نے خود آراستہ و پیراستہ عبارت آرائی سے احتراز کیا اور نثر میں سلاست، وضاحت اور صراحت کو جگہ دی۔ سرسید کے مضامین جو اکثر و بیشتر تہذیب الاخلاق کے لیے لکھے جاتے تھے ان کے تہذیبی اور تاریخی شعور کو آئینہ دار ہیں۔ انھوں نے اصلاحی مضامین بھی لکھے ہیں۔ سرسید نے اردو نثر کو انگریزی ماخذوں سے بھی وسعت، گہرائی اور تنوع عطا کیا۔ سرسید نے اردو نثر کو اس قابل بنایا کہ وہ علمی اور سائنسی موضوعات کو ترسیل کرسکے۔

24.3.2

یہاں سرسید تحریک سے جڑے اراکین کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

سرسید نے ابتدائی تعلیم روایتی انداز میں حاصل کی اس کے بعد طب اور ریاضی کی طرف توجہ دی۔ انھوں نے خاندان کی مخالفت کے باوجود انگریزی حکومت کی نوکری کی اور قلعہ سے قطع تعلق کرلیا۔ 1840 میں ''جام جم'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک کے حکمرانوں کے حالات قلمبند تھے۔ انھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے دہلی کے گرد و نواح کے آثار قدیمہ کا معائنہ کیا اور 1847 میں ''آثار الصنادید'' لکھی۔ بجنور میں صدر امین کے عہدے کے درمیان 1857 کی شورش ہوئی جس میں انسانی ہمدردی کی بنا پر انگریزوں کی جان بچائی۔ 1858 میں سرکشی ضلع بجنور شائع کی اور ''رسالہ اسباب بغاوت'' لکھا۔ 1864

میں غازی پور سے علی گڑھ چلے آئے اور 1866 میں سائن ٹی فک سوسائٹی کا اخبار ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' جاری کیا۔ انگلستان کا سفر کیا تاکہ انگریزوں کے طرز تعلیم کا مشاہدہ کرسکیں اور معاشرے سے آگاہ ہوں۔ وہاں ''خطابت احمدیہ'' تصنیف کی۔ 1870 میں تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ 1875 میں ''مدرستہ العلوم'' قائم کیا۔ سرسید ایک ذمہ دار اور باشعور صحافی اور اچھے مضمون نگار بھی تھے۔ سرسید کی تحریک میں ہمیں جو حقائق کی تلاش، خارجی اور منطقی استدلال کے تیور نظر آتے ہیں وہ ان کی عقل پرستی کے شاہد ہیں۔ سائن ٹی فک سوسائٹی اور اے۔ ایم۔ یو۔ کالج کا قیام بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ سوسائٹی کا مقصد انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا اور اردو داں طبقے میں سائنس کی تعلیم کو عام کرنا تھا۔ وہ مسلمانوں کو عقلیت اور مادیت سے قریب لانا چاہتے تھے۔ سرسید ایسی تعلیم کے سخت مخالف تھے جو وقت کی ضرورت کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ انھوں نے مشرقی نصاب تعلیم اور مشرقی نظام تعلیم کو رد کرکے ہمیں نئے تعلیمی امکانات سے روشناس کرایا۔ ''خطابت احمدیہ''، ''آثار الصنادید'' اور ''تاریخ سرکشی بجنور'' سرسید کی علمی و ادبی یادگار ہیں لیکن سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' میں جو مضامین لکھے ہیں ان کی بڑی ادبی اہمیت ہے۔ اس کا طرز تحریر سب سے منفرد اور مختلف تھا۔ وہ اردو کے نثری اسلوب میں ایک انقلاب لے کر آئے تھے۔

''تہذیب و اخلاق'' کے لکھنے والوں میں چراغ علی کا نام فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ سرسید چراغ علی کے قومی اخلاص اور ان کے اعلی تصورات سے بہت متاثر تھے۔ سرسید کی سفارش پر حیدرآباد میں وہ دفتر معتمد انگریزی میں اہم خدمت پر مامور ہوئے۔ ان کی تصانیف میں اسلام کی دینوی برکتیں، قدیم قوموں کی مختصر تاریخ، تحقیق الجہاد، تعلقات، محمد پیغمبر برحق، اعلم الکلام فی ارتقا اسلام اور بی بی ہاجرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ اردو ادب میں اپنے مضامین کی وجہ سے چراغ علی کا نام ہمیشہ روشن رہے گا۔ علی گڑھ تحریک سے وابستہ نام ادیبوں نے کسی نہ کسی زاویے سے مذہبی موضوعات کو ضرور چھوا ہے لیکن چراغ علی کے مضامین میں مذہبی رنگ بہت گہرا اور چوکھا ہے۔ ان کے اکثر مضامین میں فرنگیوں کے ان اعتراضات کو وضع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو اسلام کے اصولوں اور عقائد کو چیلنج کررہے تھے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اسلام مادی اور قومی ترقی کا دشمن اور دینوی منفعت کا مخالف نہیں ہے۔ وہ مناظرے کے انداز میں معیاری مضامین لکھتے تھے۔ ڈاکٹر سمویل گرین اور باموزتھ اسمتھ وغیرہ کے اعتراضات کا جواب انھوں نے نہایت سنجیدگی سے دیا ہے۔ چراغ علی نے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا اور لاطینی، یونانی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل کرکے ان زبانوں میں جو تاریخی اور مذہبی مواد ملتا ہے اس سے پوری طرح استفادہ کیا ہے۔ ان کے مضامین میں ایک خاص تاریخی شعور ملتا ہے۔ ان کی اکثر تصانیف مثلا تعلیمات، تحقیق الجہاد، ایفارمنر انڈر مسلم رول اور خاص طور پر ''قوموں کی تاریخ'' ان کے تاریخی شعور کی آئینہ دار ہیں۔ انھوں نے قرآنی آیات کی صداقت اور معنویت کو تاریخی پس منظر میں اجاگر کیا ہے۔ چراغ علی کا طرز تحریر سریع الفہم اور سادہ ہے۔ یہی مقصد ''تہذیب واخلاق'' کا بھی تھا۔ ان کے اکثر مضامین میں ''مناظرے'' کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ سرسید کے ان معاونین میں سے ہیں جنھوں نے ان کے تصورات سے نہ صرف اثر قبول کیا ہے بلکہ ''تہذیب و اخلاق'' میں اپنے مضامین میں اور اپنی انگریزی اور اردو تصانیف کے ذریعے علی گڑھ تحریک کے نظریات کو عام کرتے ہیں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سرسید تحریک کو فروغ دینے کی جد و جہد میں محسن الملک کا نام بھی اہم ہے۔ ان کی تعلیم اس زمانے کے عام رواج

کے مطابق روایتی انداز میں ہوئی اور عربی و فارسی کی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ انگریزی کی تعلیم سے محروم رہے لیکن اپنے ذوق وشوق سے اس کمی کو پورا کیا۔ 1857 کے ہنگامے میں انھوں نے انگریزوں کی مدد کی تھی۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن گئے۔ نظم ونسق سے متعلق دو کتابیں ''قانون مال'' اور ''قانون فوجداری'' مشہور رہیں۔ سرسید سے کافی متاثر تھے۔ 1874 میں محسن الملک کی خدمات حیدرآباد منتقل ہوگئیں۔ انھوں نے انگلستان کا سفر بھی کیا تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد علی گڑھ منتقل ہوگئے۔ اور سرسید کے ساتھ قوم کی خدمت میں مصروف ہوئے۔ آخری زمانے میں سرسید کے خیالات سے اختلاف پیدا ہوگیا، لیکن ان کی موت کے بعد علی گڑھ جو انتشار اور پراگندگی کا شکار ہوگیا تھا اسے سنبھالا۔ ان کی تصانیف میں ''مضامین تہذیب و الاخلاق، مکمل مجموعہ لیکچرز، تقلید عمل بالحدیث، کتاب الحجت والشوق، مکاتیب، مسلمانوں کی تہذیب اور آیات بیتات شامل ہیں۔ محسن الملک اپنی تحریروں بالخصوص مضامین کے ذریعے اس فلسفہ تمدن اور اس سیاسی اور عمرانی آدرش کی تفسیر وتشریح کی جس سے اپنے ہم وطنوں کو مانوس بنانے کی کوشش میں سرسید اپنے دل و دماغ اور قلم کی ساری توانائیاں صرف کررہے تھے۔ انھیں سرسید کے معاشرتی اور ادبی نصب العین اور ان کے تعلیمی لائحہ عمل پر پورا پورا اعتماد تھا۔ محسن الملک نے مغرب کی سرمایہ داری کو بعض زاویوں سے قابلِ قبول پایا تھا۔ لیکن انگریز اپنی سیاسی اور معاشی پالیسی کے ذریعے سے ہندستان کی صنعت وحرفت اور اس کے ذرائع پیداوار کا جس انداز سے استحصال کررہے تھے اس پر تنقید کی ہے۔ ہندستان کی سودیشی تحریک کا انھوں نے گرم جوشی سے استقبال کیا اور ''سودیشی تحریک'' جیسا مضمون بھی لکھا۔ تعلیم کے معاملے میں وہ سرسید کے ہم خیال تھے۔ سرسید کی طرح انھوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ جدید علوم سے مذہب کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین کے ذریعے ہندستانیوں کے طرز معاشرت اور ان کے اخلاقی تصورات کی اصلاح کرکے انھیں جدید فلسفہ حیات سے روشناس کرایا۔ ان کے مضامین میں سرسید کا سا منطقی ربط اور استدلال ملتا ہے یہی ان کے اسلوب کی خوبی بھی ہے۔ ان کی تحریروں میں عقل پسندی کا وہی عنصر ہے جس نے حالی سے مقدمہ شعر و شاعری، سرسید سے تفسیر القرآن اور چراغ علی اور وقار الملک سے مدلل مضامین لکھوائے۔ محسن الملک نے تمثیلی انداز میں مضامین لکھے ہیں جس کی بہترین مثال ''موجودہ علوم کی شبیہ'' ہے۔

سرسید کے مقصد میں اتنی ہمہ گیری تھی کہ ہر باشعور فرد اس کی طرف کھنچا چلا آرہا تھا۔ وقار الملک بھی ان لوگوں میں تھے۔ سرسید نے جب سائن ٹی فک سوسائٹی قائم کی تو انھیں اس کا ممبر بنایا۔ وہ تہذیب الاخلاق میں بھی سرسید کے خیالات کا اپنے مضامین میں پرچار کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ محسن الملک، حالی، چراغ علی اور وقار الملک کے مضامین سرسید کی آواز بازگشت معلوم ہوتے تھے۔ ''موج کوثر'' میں محمد اکرام نے سرسید اور وقار الملک کے درمیان اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کے باوجود دونوں ایک ہی ڈھب کے انسان تھے۔ وقار الملک کا نام مشتاق حسین تھا جو میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ علی گڑھ آنے کے بعد سرسید کے ساتھ کام کرنے اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کا وقار الملک کو اچھا موقعہ ملا، 1875 سے 1879 تک حیدرآباد میں بھی کام کیا۔ ان کے اندر عوام کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ان کی تصانیف میں فرنچ ریوولوشن اینڈ نپولین کا ترجمہ شامل ہے۔ جہاں تک ان کے مضامین کا تعلق ہے ان کے موضوعات اپنے زمانے کی سماجی اور سیاسی الجھنیں اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔ ہندستانیوں کی ذہنی تشکیل کس معیاروں پر کرنی چاہیے۔ ان کی تعلیم و تربیت

کیسی ہو، ان کی مختلف طبقوں سے فضول رسوم و رواج کو کس طرح دور کیا جائے۔ یہ وقار الملک کے محبوب موضوعات رہے ہیں۔ انھوں نے برطانوی حکومت کی غلط پالیسیوں پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کے مضامین سے مسلمانوں کے سیاسی خیالات میں زبردست انقلاب رونما ہوا۔ ان کے خیالات سے متاثر ہوکر آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی سیلف گورنمنٹ کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ وہ سرسید کی طرح مذہبی عقائد کو عقل کی روشنی میں پرکھتے تھے۔ وہ نئی نسل کو عقل کی اس روشنی سے مستفید کرنا ضروری تصور کرتے تھے جو ان کے لیے مذہب کی حقیقی روح کو سمجھنے میں ممد و معاون ثابت ہوسکے۔ ان کے خیالات میں ہیت اجتماعی کی نئی ترتیب اور تمدنی ڈھانچے کی جدید تشکیل کا ایک گہرا اور شدید احساس ملتا ہے۔ وقار الملک کے طرز تحریر کا دلچسپ انداز ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ''تہذیب و شائستگی، عام محبت، مہمان و میزبان اور انسان کی زندگی'' ان کے بڑے دلچسپ مضامین ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے بڑے مفہوم ادا کرنے کا فن جانتے تھے۔

سرسید تحریک میں سرسید کے رفقا میں الطاف حسین حالی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ سرسید کے خیالات و افکار کو عام کرنے اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے والوں میں حالی پیش پیش رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سرسید کے فلسفہ حیات اور ان کی دیدہ وری اور تہذیبی بصیرت سے آشنا تھے۔ انجمن پنجاب قائم ہونے پر محمد حسین آزاد کے ساتھ حالی بھی وابستہ ہوگئے اور نشاط امید، مناظرہ رحم کرم اور حب الوطنی جیسی نظمیں لکھیں۔ انھوں نے مشرقیوں کی تعلیم پر ''مجالس النسا'' ناول بھی لکھا تھا۔ مسدس حالی کی وجہ سے ان کا نام ناقابل فراموش بن گیا۔ انھیں سوانح عمری لکھنے میں بھی شبلی کے ساتھ اولیت حاصل ہے۔ حیاتِ سعدی ان کی ایک دلچسپ سوانح ہے۔ مناجات بیوہ میں ایک بیوہ کی بپتا بیان کی ہے جو ایک بڑی پر اثر اور حقیقت پسندانہ نظم ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری اور شاعری کی تنقید میں ایک انقلاب برپا کرتی ہے۔ انھوں نے 1897 میں یادگارِ غالب لکھی جو بڑے محققانہ اور شگفتہ انداز میں لکھی گئی غالب کی سوانح عمری ہے۔ ایک معتبر سوانح نگار کی حیثیت سے انھوں نے سرسید احمد خاں کی سوانح ''حیاتِ جاوید'' لکھی ہے۔

1857 میں حالی کی سرسید سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ حالی اپنے جدید خیالات، اپنی ادبی صلاحیتوں قوم پروری اور نئے تہذیبی تقاضوں سے آگہی کی وجہ سے سرسید سے قریب ہوگئے۔ حالی نے مسدس میں قوم کی زبوں حالی، اخلاقی انحطاط، ذہنی تعطل، بے عملی اور نئے حالات سے بے خبری کا ذکر کیا تھا اور قوم کو غیرت دلائی تھی جسے سرسید نے بہت پسند کیا تھا۔ سرسید اور حالی وہ اولین شخصیتیں ہیں جنھوں نے ہیت اجتمائی کو تشکیل جدید سے افسردہ ہونے کے بجائے اسے اٹل تصور تصور کیا اور نئی روایات زندگی کی نئی قدروں اور تقاضوں کے کھلے دل سے خیر مقدم کیا۔ علی گڑھ تحریک سے وابستہ ادیبوں کا اندازِ نظر یہی تھا۔ حالی کی تحریریں اور ان کے مضامین اپنے زمانے کے معاشی و تمدنی روابط کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کے آئینے میں 19 ویں صدی کا ہندستان اپنی سیاسی تحریکوں، اقتصادی میلانات اور مختلف طبقات کی جذباتی اور ذہنی کیفیات کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں سماجی اصلاح، حب الوطنی اور قومی ترقی کا جذبہ بار بار ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ ایک شاعر اور نقاد ہی نہیں بلکہ سرسید کی صحبت میں رہ کر ایک ذہنی معمار بھی بن گئے تھے۔ حالی نے سرسید کی طرح ادب کا جو تصور پیش کیا وہ یہ تھا کہ ادب معاشی انقلابات اور تہذیبی تغیرات سے بیگانگی اختیار نہ کرے اور سماجی زندگی کے اعلیٰ معیاروں کو اپنائے اور اخلاق کے وسیع اصولوں کی پاسداری کرے۔ پرکاری، تصنع، بناوٹ اور آرائش سے احتراز

کیا جائے اور سادگی، شستگی، فطری انداز اور سلاست کو اپنایا جائے۔ سرسید کے ان خیالات کی اشاعت حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں کی ہے۔

ذکا اللہ نے جہاں ریاضیات، تاریخ، جغرافیہ، علم اخلاق، طبعیات وہیت اور سیاست پر ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ضخیم کتابیں لکھیں وہیں انھوں نے مضمون نگاری سے بھی دلچسپی لی اور طویل و بسیط تصانیف کے ساتھ ساتھ مختصر مضامین بھی لکھے، ماسٹر رام چند کی صحبت میں رہ کر انھیں مضمون نگاری سے غیر معمولی دلچسپی لی۔ انکا کئی اداروں سے بھی تعلق رہا۔ نارمل اسکول کے صدر رہے ورنا کیولر سائنس اینڈ لٹریچر کے پروفیسر اور الہ آباد یونی ورسٹی کے فیلو بھی رہے۔ 1891 میں محاسن الاخلاق کے نام سے ایک مجموعہ مضامین شائع کیا جس میں 725 مضامین شامل تھے ان میں اکثر انگریزی مصنفین سے ماخوذ ہیں۔ ذکا اللہ کی مضمون نگاری جس سماجی پس منظر میں گذری تھی وہ اپنے چند مخصوص میلانات کا مطالبات رکھتا تھا۔ انھیں اپنے گرد و پیش کے حالات کا مکمل شعور تھا۔ وہ وقت کے تہذیبی اور ادبی تقاضوں سے باخبر تھے۔ ان کا نظریہ ادب اخلاقی اور افادی تھا۔ ان کے خیال میں شاعر اور ادیب کا کام یہ ہے کہ وہ عوام کے خیالات کی اصلاح کرے اور جو باتیں وعظ کی زبان سے پھیلی اور بے لطف معلوم ہوتی ہیں انھیں دلکش اور جاذب نظر بنا کر پیش کرے۔ ذکا اللہ سرسید احمد خاں کے اصلاحی، تہذیبی ادبی اور تعلیمی تصورات سے بہت متاثر تھے جس کا پرتو ان کی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ انھوں نے سرسید کی طرح نئے تقاضوں اور اس کی انتا سے مفاہمت پیدا کرنے کے لیے انگریزی تعلم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ان کے خیال میں نچلے طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو انگلستان بھیجنے سے گریز نہ کریں۔ ذکا اللہ نے اپنے مضامین میں اصلاحی اور تاریخی موضوعات سے زیادہ دلچسپی کی ہے۔ ان کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے اور تمام تصانیف عام فہم اور سہل زبان میں لکھی گئی ہیں انھوں نے انشا پردازی کی سخت تنقید کی ہے اور مضمون میں موضوع پر خاص توجہ دی ہے۔

محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر شمالی ہندستان میں اردو کے ''اولین اخبار'' اردو اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ جنھیں انگریزوں نے وطن پرستی اور جد و جہد آزادی میں عملی شرکت کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ محمد باقر نے آزاد کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ دہلی کالج میں جدید خیالات اور نئے تصور حیات کا درس لیا۔ مغربی علوم اور نئے طرز فکر کی اہمیت واضح ہوگئی تھی۔ انھوں نے کالج میں اپنی ذہانت کا سکہ بٹھادیا تھا اور انعامات سے سرفراز ہوئے تھے۔ پنجاب میں ڈاکٹر لٹنر نے انجمن پنجاب قائم کی جس کے مقاصد میں مشرقی علوم کا احیا اور حکومت سے راہ و رسم پیدا کرنا شامل تھا۔ آزاد نے انجمن کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کردیا اور 1867 میں سکریٹری مقرر ہوگئے۔ 1870 میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ آخری زمانہ حیات میں آزاد مخذوب ہوگئے تھے۔

''قصص ہند'' آزاد کا پہلا ادبی اور علمی کارنامہ ہے۔ ان کی تصانیف میں موضوعات کا خاصا تنوع ملتا ہے۔ ''سخندانِ فارس'' میں فارسی زبان و ادب سے متعلق مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کے تمثیلی انشائیوں کا مجموعہ ''نیرنگِ خیال'' ہے ان کے سامنے جانس اور ایڈیسن کی مضمون نگاری کے نمونے تھے۔ ماسٹر رام چند، سرسید احمد خاں، ذکا اللہ اور نذیر احمد کے اصلاحی مضامین سے الگ آزاد نے راہ نکالی انھوں نے افکار وتصورات کو نئے ابلاغی سانچوں میں ڈھالا۔ انھوں نے تمثیلی انشائیے لکھے ہیں۔ ایران کے سفر کا حال سیر ایران میں درج ہے۔ ''نظم آزاد'' ان

کے نئے تصور ادب کی ترجمانی ہے۔ انھوں نے بڑی محنت اور غیر معمولی لگن کے ساتھ ''دربار اکبری'' لکھی، آزاد کی شاہکار آبِ حیات ہے جو 1881 میں شائع ہوئی۔ اور تنقید اور تذکروں کے درمیان کی کڑی ہے۔ اسمیں پہلی بار شاعروں کے حالات زندگی بڑے پر لطف اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔ آبِ حیات میں آزاد نے خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش بڑی ذکاوت اور خوش اسلوبی سے پیش کیے ہیں۔ آزاد کا اسلوب پر تکلف، مبالغہ آرائی اور تشبیہات و استعارات سے پر ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد سرسید کے خوشہ چینوں میں تھے۔ انھوں نے سرسید کے تہذیبی، مذہبی، تعلیمی اور ادبی افکار سے استفادہ کیا۔ انھوں نے اپنے لیکچروں میں سرسید تحریک کو بہت سراہا ہے اور اسے تقاضائے وقت تصور کرتے تھے۔ نذیر احمد سرسید کی طرح عقلیت پسند تھے۔ انھوں نے سرسید کے نظریات اور ان کے مسلمات کو اپنی ساری نیاز مندی کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ انھوں نے سرسید سے اختلاف بھی کیا ہے۔ لیکن سرسید کی طرح جدید تعلیم کو عصری ضرورت کے عین مطابق بتایا ہے۔ وہ ترقی پسند اور عصری تقاضوں سے مطابقت رکھنے والے اصلاحی تصورات کے حامی تھے جو سرسید تحریک میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سرسید کی بالغ النظری نے انھیں حالات کا جائزہ لینے اور خود کوئی نتیجہ اخذ کرنے پر اکسایا تھا۔ نذیر احمد نئی روش سے متاثر ہونے کے باوجود اپنے ثقافتی ورثے کو ہنگامی حالات کی نذر ہونے نہیں دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ ابن الوقت میں انھوں نے اس طرف اشارے کیے ہیں۔ ان کی ناولیں مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح وغیرہ اردو کے افسانوی ادب کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔ انھوں نے انکم ٹیکس ایکٹ، انڈین پینل کوڈ کے علاوہ قرآن شریف کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ''دہ سورہ، الحقوق و فرائض، مطالب القرآن، امہات الامہ، اجتہاد اور موعظہ حسنہ تصانیف مذہبی موضوعات سے متعلق ہیں۔ رسم خط اور قواعد پر بھی ان کی تحریریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ انھیں مضمون نگاری سے بھی سروکار تھا۔ اردو ادب میں وہ اپنی ناول نگاری سے زیادہ پہچانے جاتے ہیں انھوں نے تعلیم نسواں پر زور دیا ہے اور خواتین کی فلاح و بہبود کی باتیں کی ہیں۔ ''رویائے صادقہ'' کا ایک کردار صادق علی گڑھ کا تعلیم یافتہ ہے اور وہ عقل کے ذریعے مذہب کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کے مضامین کے موضوعات علمی اور اخلاقی نوعیت کے ہیں جو اردو مضمون نگاری میں اپنی شناخت بناتے ہیں۔ نذیر احمد کا اسلوب محاوراتی ہے جس کی وجہ سے قرآن شریف کے ترجمے اور مذہبی تصانیف میں عبارت مجروح ہوئی ہے اور مفہوم ڈگمگا گیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے ناول اپنے عہد کے تصورات طرز فکر اور انسانی رویوں کی اچھی ترجمانی کرتے ہیں۔ آج سماج کے خد و خال تبدیل ہو چکے ہیں اس لیے آج کا قاری جب نذیر احمد کے ناول پڑھتا ہے تو ایک بدلے ہوئے انداز نظر اور تہذیبی تناظر کا احساس ان میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نذیر احمد نے بنات النعش اور مراۃ العروس تھامس ڈے کے بندفورڈ اینڈ مرٹن کے قصے کو اپنے ماحول اور معاشرتی رجحانات کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

سرسید احمد خاں کے فرزند سر راس مسعود بھی سرسید تحریک سے وابستہ تھے۔ انھوں نے اپنے والد کے خیالات و نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ عملی طور پر ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔

24.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ:

1۔ سرسید تحریک کی مبادیات سے واقف ہوئے۔

2۔ سرسید تحریک سے وابستہ ادیبوں اور شاعروں سے متعارف ہوئے۔

3۔ سرسید تحریک کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا۔

4۔ سرسید تحریک کا درجہ متعین کیا۔

5۔ سرسید تحریک کی بنائے پس منظر کو سمجھا۔

24.5 اپنا امتحان خود لیجئے

1۔ سرسید تحریک سے وابستہ حضرات کے نام بتایئے؟

2۔ سرسید تحریک کی ادبی خدمات میں سے پانچ کی نشان دہی کیجیے؟

3۔ سرسید تحریک سے وابستہ انجمنوں اور رسالوں کے نام بتایئے؟

4۔ سرسید تحریک اور علی گڑھ کا کیا رشتہ تھا؟

24.6 سوالوں کے جوابات

1۔ سرسید سے وابستہ حضرات کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ سرسید احمد خاں 2۔ الطاف حسین حالی 3۔ وقار الملک 4۔ محسن الملک

5۔ چراغ علی 6۔ ڈپٹی نذیر احمد 7۔ سر راس مسعود 8۔ ذکا اللہ

2۔ سرسید تحریک کی ادبی خدمات یہ ہیں:

1۔ اردو نثر کا ارتقا ہوا اور اردو کی علمی و ادبی نثر کو فروغ ملا۔

2۔ اردو کی نثری اصناف میں مضمون نگاری، سوانح نگاری، ناول نگاری وغیرہ کو فروغ ملا۔

3۔ مغربی کے سماجی و سائنسی علوم کے تراجم ہوئے۔

4۔ الطاف حسین حالی نے مد و جزر اسلام جیسی معرکہ الآرا مسدس لکھی۔

5۔ مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعے اردو شاعری کی تنقید کا نظریہ قائم ہوا۔

6۔ ادبی و غیر ادبی صحافت کو فروغ ملا۔

3۔ سائنٹیفک سوسائٹی قائم ہوئی اور تہذیب الاخلاق جیسا رسالہ شائع ہوا۔

4۔ سرسید تحریک کی ابتدا تو پہلے ہو چکی تھی لیکن اس کا باقاعدہ آغاز علی گڑھ میں ہوا۔ اسی تحریک کے زیر اثر

سرسید نے اے۔ ایم۔ یو۔ کالج قائم کیا۔ سائن ٹی فک سوسائٹی بنائی اور علی گڑھ ہی سے تہذیب الاخلاق اور علی گڑھ گزٹ جیسے رسالے شائع کیے۔ سرسید تحریک کے بانی کا اپنا مرکزی دفتر علی گڑھ میں تھا۔ وقار الملک اور محسن الملک جیسے ادیب بعد میں علی گڑھ ہی میں قیام پذیر ہوئے۔ ان تمام وابستگیوں کی وجہ سے سرسید تحریک کو علی گڑھ تحریک بھی کہا جاتا ہے۔

5۔ اس تحریک کا مقصد مذہب کو عقل سے پہچاننا تھا۔ جدید علوم کی تعلیم سے اپنے کو پستیوں سے بلندیوں کی طرف لے جانا تھا۔ مغربی انداز فکر سے اپنی اصلاح کرنا تھا۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں مفاہمت پیدا کرنا تھا۔ ذہنی بیداری کو اپنا نصب العین بنانا تھا۔ اصلاحی مضامین کے ذریعے تہذیبی اور تاریخی شعور کو بیدار کرنا تھا۔

24.7 کتب برائے مطالعہ

1۔ سرسید تحریک — اصغر عباس

2۔ تاریخ ادب اردو — جمیل جالبی